دعوت اور خیر خواہی

عبدالحلیم فلاحی

داعیٔ حق انسانوں کا سچا خیر خواہ ہوتا ہے۔ اس کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ حق و صداقت کی جو راہ اسے ملی ہے۔ دنیا کے سارے انسان اس راہ کے راہی بن جائیں۔ علامہ اقبالؒ کے بقول:

محروم تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے"

"دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے

ہم قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی داعیانہ زندگی میں اپنے مدعوین کے ساتھ ان کی ہمدردی و بہی خواہی کا پہلو بہت نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ ابراہیم میں ان کی اس درخواست کا جو انھوں نے نافرمان مخاطبین کے تعلق سے خدا تعالیٰ کے حضور پیش کی ہے، ذکر فرمایا ہے۔ اس درخواست میں انتہائی حسین اسلوب میں ابراہیم علیہ السلام نے نافرمانوں کے لئے مغفرت اور رحمت کی سفارش کی ہے۔

(فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (سورہ ابراہیم، ۱۴:۳۶

جو میرے طریقے پر چلے وہ میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو آپ بہت معاف کرنے والے بڑے مہربان" ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس عرضداشت میں نافرمانوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا اور نہایت لطیف پیرائے میں اس بات کا اظہار بھی کر دیا کہ اگر ان کے ساتھ آپ توفیق ارزانی فرمادیں تو یہ بھی آپ کے دامنِ رحمت و مغفرت میں جگہ پا سکتے ہیں۔

نرم دلی اور گداز قلبی ابراہیم علیہ السلام کے دو نمایاں وصف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس وصف کو ''اوّاہٌ حلیمٌ اور ''اواہٌ منیب'' کے جامع الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جناب میں آہ وزاری اور انابت (ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا) اور حلم و بردباری آپ کا شیوہ تھا۔ اس لیے ایسی بلند پایہ ہستی سے یہ توقع ہے کہ وہ نافرمانوں کی بھی خیر خواہ ہو۔

ان کی اسی نرم دل اور گدازیٔ قلب کا مظہر مشہور تاریخی واقعہ ہے۔ جب عذاب کے فرشتے لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب الٰہی نازل کرنے کے لئے آئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس گمراہ قوم سے عذاب ٹالنے کی اپنی سی کوشش کی۔ اس معاملے میں وہ برابر اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے رہے۔ اور اصرار کے ساتھ عرض کرتے رہے کہ ابھی قوم لوط سے عذاب ٹال دیا جائے۔ اس روداد کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ ہود میں بیان فرمایا ہے، اس سے خدا و بندے کے درمیان انتہا درجے کی محبت اور تعلق کا اظہار ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

(یُجَادِلُنَا فِیْ قَوْمِ لُوْطٍ۔ (سورہ ہود، ۱۱: ۷۴

وہ قومِ لوط کے معاملے میں ہم سے بحث و تکرار کر رہا تھا''۔''

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس بحث و تکرار پر کوئی گرفت نہ کی اور نہ اسے کسی طرح نامناسب قرار دیا، بلکہ انسانوں کے ساتھ ان کی ہمدردی پر ستائش کی۔ اس کو ان کے طبعی حسن اخلاق پر محمول کیا اور کہا:

(اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیْبٌ۔ (سورہ ھود، ۱۱: ۷۵

حقیقت میں ابراہیم بڑا حلیم و بردبار نرم دل و دردمند تھا اور ہر معاملے میں ہماری طرف رجوع کرتا تھا''۔

اور اس محبت آمیز مکالمہ اور مجادلہ کا خاتمہ اس وقت ہوا ہے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں صاف جواب مل گیا کہ اب اس قوم میں بھلائی کی کوئی رمق باقی نہیں ہے اور یہ ہمہ وجوہ عذاب کی مستحق ہو گئی ہے۔ اس لئے اب ان کے لئے سفارش کا کوئی موقع باقی نہیں رہا ہے۔

يٰٓاِبۡرٰهِيۡمُ اَعۡرِضۡ عَنۡ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدۡ جَآءَ اَمۡرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمۡ اٰتِيۡهِمۡ عَذَابٌ غَيۡرُ مَرۡدُوۡدٍ۔ (سورہ ہود، ۱۱: ۷۶)

اے ابراہیم، یہ بحث چھوڑو، اب تمہارے رب کا حکم ہو چکا ہے اور ان پر ایک ایسا عذاب آنے والا ہے جو ٹالا نہ جا سکے گا"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے مخاطبین کے ساتھ یہ ہمدردی و بہی خواہی اس دنیا کی زندگی میں تھی۔ لیکن قرآن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی مخاطب قوم کے ساتھ اسی طرح کی ہمدردی کا اظہار قیامت کے دن حیاتِ اُخروی میں بھی کریں گے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت کریں گے: "کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری ماں کو بھی خدا بنا لو"؟ وہ جواب میں عرض کریں گے: "سبحان اللہ، میرا یہ کام نہ تھا کہ میں وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہ تھا، اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو آپ کو ضرور اس کا علم ہوتا"۔ (سورۃ المائدہ، ۵:۱۱۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ان معروضات کا تذکرہ "المائدہ۔آیت ۱۱۷" پر مکمل ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے مخاطب لوگوں کے تعلق سے جو التجا اپنے رب کے حضور رکھتے ہیں اس کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

(اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ (المائدہ، ۵: ۱۱۸)

(اگر آپ انہیں سزا دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر انہیں معاف کر دیں تو آپ صاحب اقتدار اور دانا ہیں"

اس آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی عرضداشت کو جس پُر جمال اسلوب اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا ہے، اس سے عمدہ اسلوب کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ آپ نے سب سے پہلے اپنے مخاطبین کے جرم پر اُن کے مستحق عذاب ہونے کا ذکر کیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا ہے کہ اگر آپ انہیں عذاب دینا چاہیں تو یہ آپ کے غلام و بندے ہیں۔ یہ کہیں بھاگ کر نہیں جا سکتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے اقتدار، اس کے

جاہ و جلال اور اس کی حکمت کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر آپ انہیں معاف کر دیں تو یہ آپ ہی کے شایان شان ہے۔ کوئی دوسرا آپ کے فیصلے کے نفاذ کی راہ میں مزاحم نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس عرضداشت کو نامناسب نہیں ٹھہرایا۔ ہاں! ان کے جواب میں ایک اصولی بات ارشاد فرمائی، جس کی بنیاد پر یوم العرض (پیشی کے دن) لوگوں کے معاملات کا فیصلہ ہوگا۔ ارشاد ہوتا ہے:

(قَالَ اللّٰہُ ہٰذَا یَوۡمُ یَنۡفَعُ الصّٰدِقِیۡنَ صِدۡقُہُمۡ۔ (مائدہ، ۵: ۱۱۹

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کی سچائی ان کے لئے نفع بخش ہو گی''۔''

اس مکالمے کے ذکر سے بتانا مقصود ہے کہ داعی کا دل اپنے مدعوین کے لئے کس قدر تڑپتا اور بے چین ہوتا ہے۔ انبیاء تو داعیوں کے سرخیل ہوتے ہیں، اس لیے ان کے جذبۂ خیر خواہی کی کوئی مثال نہیں دی جا سکتی۔

سورۂ یٰسین کا مطالعہ کرتے ہوئے یہی جذبۂ بہی خواہی، تڑپ و اضطراب اس مردِ مومن کے اندر بھی نظر آتا ہے، جس نے علی الاعلان کلمۂ توحید کا اقرار کیا تھا۔ اس کی قوم کے لوگوں نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد اس مردِ شہید کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے معاملہ اچھا کیا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں بھری جنت کا وہ مستحق قرار پایا۔ اس کے دلِ سوزاں میں اپنی مدعو قوم کے لیے جو جذبۂ خیر خواہی موجزن تھا۔ اس کو قرآن ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

قِیۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّۃَ ؕ قَالَ یٰلَیۡتَ قَوۡمِیۡ یَعۡلَمُوۡنَ ۙ بِمَا غَفَرَ لِیۡ رَبِّیۡ وَ جَعَلَنِیۡ مِنَ الۡمُکۡرَمِیۡنَ (سورہ یٰسین، ۲۶۔۲۷)

اس سے کہا گیا: ''داخل ہو جاؤ جنت میں''۔ اس نے کہا: ''کاش میری قوم کو معلوم ہو جاتا کہ میرے رب نے کس چیز کی بدولت میری مغفرت فرما دی اور مجھے باعزت لوگوں میں شامل فرما دیا''۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر مولانا اصلاح الدین یوسف صاحب نے مولانا محمد جوناگڑھی صاحب کے ترجمہ قرآن کے حواشی میں درج ذیل الفاظ میں کی ہے۔ ''یعنی جس ایمان اور توحید کی وجہ سے میرے رب نے بخش دیا، کاش میری

قوم اس بات کو جان لے تاکہ وہ بھی ایمان و توحید کو اپنا کر اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی نعمتوں کی مستحق ہو جائے۔ اس طرح اُس شخص نے مرنے کے بعد بھی اپنی قوم (گمراہ قوم) کی خیر خواہی کی۔ ایک مومن صادق (اور مخلص داعی حق) کو ایسا ہونا ہی چاہیے کہ وہ ہر وقت (اور ہر حال میں) لوگوں کی خیر خواہی ہی کرے، بد خواہی نہ کرے۔ ان کی صحیح رہنمائی کرے، گمراہ نہ کرے۔ بے شک لوگ جو چاہیں کہیں اور جس قسم کا سلوک چاہیں کریں، حتیٰ کہ اسے مار ڈالیں"۔

داعیٔ اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حیات طیبہ میں نمایاں طور پر یہ صفت سامنے آتی ہے کہ آپ کی ہستی سراپا خیر خواہی کا مظہر تھی۔ ربِ کائنات نے دنیائے انسانیت کے لئے آپؐ کو رحمت بنا کر مبعوث فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے:

(وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ۝) (الانبیاء، ۲۱: ۱۰۷

اے نبیؐ، ہم نے آپ کو سارے عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے"۔"

اپنی بعثت سے متعلق خود آپؐ کا ارشاد گرامی ہے:"

(اِنما اَنا رحمۃ مھداۃ (صحیح الجامع الصغیر، حدیث ن: ۲۳۴۵

میں رحمت مجسم بن کر آیا ہوں، جو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ جہاں کے لیے) ایک ہدیہ ہے"۔"

حیاتِ مبارکہ میں انسانیت کے ساتھ ہمدردی و بہی خواہ کا عظیم الشان مظاہرہ ہمیں ملتا ہے۔ آپؐ اہل طائف کے ناروا سلوک اور حد سے بڑھی ہوئی ظلم و زیادتی کو سہتے ہوئے مکہ کے لیے واپس ہوئے۔ سارا جسم زخموں سے چور تھا اور ایڑیوں کے زخم سے دونوں جوتے خون سے لبریز تھے۔ آپؐ جب قرنُ الثّعالب" کے مقام پر پہنچے تو یکایک آسمان کی طرف سے بادلوں نے آپؐ پر سایہ کر دیا۔ آپؐ نے نگاہ اوپر اٹھائی تو دیکھا کہ بادل میں جبریل علیہ السلام جلوہ فرما ہیں، اور وہ کہہ رہے ہیں، "اے محمد ﷺ ! آپ کے رب نے وہ سب کچھ سن لیا ہے جو آپ کی قوم نے آپ کی دعوتِ اسلام کے جواب میں کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو میرے ساتھ بھیجا ہے۔ آپؐ جو حکم دیں گے، وہی وہ کرے گا"۔

اتنے میں پہاڑوں کے فرشتے نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا اور بولا، ''اے محمد ﷺ ! آپؐ جو چاہیں حکم دیں۔ اگر آپ کہیں تو میں انہیں طائف کے دونوں پہاڑوں کے درمیان پیس کر رکھ دوں گا''۔ آپؐ نے فرمایا: ''نہیں، نہیں، میں تم کو ایسا کرنے کا حکم ہر گز نہیں دے سکتا، کیونکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی آئندہ نسلوں میں ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو مجھ پر ایمان لائیں گے اور میرے لائے ہوئے دین کو حرزِ جاں بنائیں گے''۔

غزوۂ حنین کے بعد طائف کا محاصرہ کم و بیش بیس دن جاری رہا، شہر فتح نہ ہو سکا تو آپ نے بعض صحابہ کرامؓ کے مشورے کے بعد حکم دیا کہ محاصرہ اٹھا لیا جائے۔ بعض صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، آپؐ انہیں بد دعا دیں، آپؐ نے بد دعا کے بجائے انہیں یہ دعا دی۔

(اللّٰھم اِھدِ ثقیفاً وانت بھمْ۔ (سیرۃ النبیؐ، ج۔۱:۳۸۶، ص

اے اللہ، ثقیف کو ہدایت دے اور انہیں توفیق دے کہ میرے پاس حاضر ہو جائیں''۔''

بنو ثقیف کے لیے آپؐ کی مذکورہ بالا دعا اس بات کا مظہر ہے کہ آپ کے دل میں اپنے مخاطبین کے لیے خیر خواہی کا بے پناہ جذبہ تھا۔ اسی جذبۂ خیر خواہی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یوں بیان کیا ہے:

(فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰٓی اٰثَارِہِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِہٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا۔ (سورۃ الکہف، ۱۸: ۶

تو اے نبیؐ، شاید تم ان کے پیچھے کے غم کے مارے اپنی جان کھو دینے والے ہو، اگر وہ اس بات (قرآن کریم) پر'' ایمان نہ لائے۔

بعینہ یہی بات سورہ ''الشعراء'' کے آغاز میں فرمائی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

(لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ۔ (سورۃ الشعرآء ۲۶: ۳

اے نبیؐ، شاید تم اِس غم میں اپنی جان کھو دو گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے''۔''

:آپؐ نے خود درج ذیل حدیث میں اپنی کیفیت بیان کی ہے

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قال، قال رسول اللہ ﷺ : ''اِنَّمَا مثلی و مثل اُمتی کمثل رجل استوقد ناراً، فجعل الدواب والفراش (یقعن وانا اخذٌ بحجزکم وانتم تقتحمون فیہ''۔ (صحیح مسلم

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اور میری امت کی مثال تو'' اس آدمی کی طرح ہے جس نے آگ جلائی تو پروانے اور کیڑے مکوڑے اس میں ٹوٹے پڑ رہے ہیں اور تمہارا حال یہ ہے کہ تم (جہنم) کی آگ میں چھلانگ لگانا چاہتے ہو اور میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تمہیں اس میں گرنے سے بچانا (چاہتا ہوں''۔(صحیح مسلم

نبی کریم ﷺ نے انسانوں کے ساتھ خیر خواہی اور بہی خواہی کے جذبے کو صرف اپنی ذات تک محدود نہیں رکھا، بلکہ ہر بندۂ مومن کے اندر یہ جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ مندرجہ ذیل حدیث اسی بات کا مظہر ہے۔

عَن تمیم الداریؓ ان النبیؐ ﷺ قال: الدین النصیحۃ ثلاثاً، قلنا لمن؟ قال: للہ ولکتابہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین (وعامتھم''۔ (صحیح بخاری و مسلم

حضرت تمیم داریؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ''دین نصح و خیر خواہی کا نام ہے''۔ یہ بات'' آپؐ نے تین بار فرمائی۔ ہم نے عرض کیا کہ (یہ خیر خواہی) کس کے لئے ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''اللہ کے لئے، اس کی کتاب اور اس کے رسول کے لئے، مسلمانوں کے سربراہوں اور ان کے عام لوگوں کے لئے''۔

نصح و خیر دین اسلام کا ایک لازمی جز ہے۔ دین سراپا خیر خواہی ہے۔ آج کی سب سے بڑی خیر خواہی یہ ہے کہ ان سے علی الاعلیٰ کہا جائے: ''اے آدم کے بیٹو! ہمیں تمہارے دکھوں، تمہاری الجھنوں اور مسائل کا بھرپور احساس و ادراک ہے۔ تم نے ان کے حل کیلئے کھوٹے ازموں اور راستوں کو اپنا کر دیکھ بھی لیا ہے۔ انھوں نے تمہاری مشکلات و مصائب کو دور کرنے کے بجائے ان میں اضافہ ہی کیا ہے۔ اب ہمارے پاس اسلام کے پیغام کی شکل میں ایک نسخۂ کیمیا ہے وہ نہ صرف تمہارے دکھوں کا مداوا کرے گا، بلکہ تمہیں امن و چین اور شانتی و سکون سے ہمکنار کرے گا۔ اگر تم نے اس پیغام الٰہی کو قبول کر لیا اور اس کے مطابق اپنی زندگی کا نقشہ تبدیل کر لیا تو اس کے نتیجے

میں تمہاری دنیا بھی سنورے گی اور اس کے بعد آنے والی دنیا (آخرت) بھی سنور جائے گی۔ تم دنیا و آخرت دونوں جگہ شاد کام و بامراد ہو گے۔ مخاطبین کو خیر خواہانہ اور واضح طور پر یہ بتا دینا چاہئے ۔

دوستو! ہے اگر امن کی جستجو

چاہتے ہو کہ سُکھ چین آرام ہو،

امنِ عالم پیامِ الٰہی میں ہے

ہم نشینو! پیامِ خدا عام ہو

اپریل 2015 مشمولہ: شمارہ

مزید

- اسلام کا تصور جنگ

...یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جنگ دراصل بھیانک خونریزی اور ہمہ گیر تباہی کا نام ہے، جنگ سے ہزاروں قیمتی

- پیغامِ حق کی ترسیل